© rasailojaraid.com

سُودی دادوستد

(۲)

مولوی محمد نعیم صدیقی ندوی ایم اے (علیگ) رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ

شخصی اور تجارتی سُود آج مجوزین سود یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس زمانے میں سود کی حرمت نازل ہوئی تھی اس وقت صرف شخصی اور مہاجنی سود کا رواج تھا۔ یعنی ایک شخص اپنی کسی ذاتی ضرورت مثلاً جاں بلب مریض کے معالجہ یا بے گوروکفن میت کو دفنانے کے لئے سرمایہ دار اور مہاجن سے سودی قرض لیا کرتا تھا۔ جو یقیناً انسانیت سوز حرکت تھی۔ اس کی حرمت تو قرین عقل معلوم ہوتی ہے لیکن اس وقت جو کمرشل انٹرسٹ اور بینکنگ سود کا رواج ہے اور جس کے ستونوں پر آج تجارت کا ایوان قائم ہے اس کا وجود عہد رسالت میں نہ تھا۔ لہٰذا سود کی حرکت حرمت پہلی قسم تک محدود رہے گی اور موخرالذکر نوع شامل نہ ہوگی۔

اول تو یہ منطق ہی غلط ہے کہ جن چیزوں کی قرآن میں ممانعت فرمائی گئی ہے وہ حکم صرف ان ہی اشیاء تک محدود رہے گا جو نزول قرآن کے وقت رائج تھیں اور رفتار زمانہ کے ساتھ ان میں جو تجدد تنوع پیدا ہوتا ہے اس پر حرمت اثر انداز نہ ہوگی۔ اگر اس اصول کو حاشا صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر قرآن میں فحشاء کی جو چند متعین شکلیں بیان کی گئی ہیں ان کی حرمت وہیں تک محدود رہے گی۔ اور مرور زمانہ کے ساتھ معاشرہ میں جو نوع بنوع فحشاء ایجاد ہوتے گئے ان کو خدانخواستہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائز ہی ہونا چاہئیے۔ مثلاً قرآن نے قمار اور جوئے کی ممانعت کی ہے جسے میسر اور ازلام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر آج قمار کی دسیوں ترقی یافتہ قسمیں لاٹری، معمہ بازی اور انشورنس وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں مذکورہ اصول مفروضہ کی بنیاد پر اس قسم کے قمار کو جائز ہونا چاہئیے (العیاذ باللہ) ظاہر ہے اس باطل اصول کو تعلیمات اسلام کی حلت و حرمت کا معیار قرار دیئے جانے کے بعد شریعت کی عمارت ہی متنزلزل ہوئی جاتی ہے۔ اس لئے کہ آج فحشاء منکر کی جتنی صورتیں بھی موجود ہیں ان کی ظاہری ہیئت پہلے سے یکسر بدل گئی ہے۔ لہذا شراب حرام ہے خواہ وہ دیسی ٹھرا ہو یا سیل بند وھسکی اور بیئر جوا حرام ہے خواہ معمولی بازی ہو یا لاٹری اور معمہ کی خوشنما شکل میں۔ زناکاری حرام ہے خواہ تنگ و تاریک کوٹھیوں میں ہو یا شاندار کلبوں اور پُر رونق بالاخانوں پر بالکل اسی طرح سود بہر حال حرام ہے خواہ شخصی و صرفی ضروریات کے لئے ہو یا تجارتی اور کاروباری اغراض کیلئے۔

پھر تاریخی حیثیت سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عہد رسالت میں جہاں مہاجنی سود کا رواج تھا وہیں تجارتی اغراض کے لئے بھی سودی دادوستد عام تھا۔ بلکہ آیت یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا الخ کی شان نزول میں جتنے واقعات مفسرین نے عوام نے نقل کئے ہیں، سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی کاروبار کے لئے باہمی سودی لین دین عام تھا۔ اور اس کے بقایا کی کافی رقمیں ایک دوسرے کے ذمہ واجب الادا تھیں جن کا وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مطالبہ کر رہے تھے۔ مذکورہ آیت نے نازل ہو کر بقایا سودی رقموں کو چھوڑنے اور صرف راس المال لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں ہے کہ:

"حضرت عباس اور خالد بن الولید کا شرکت میں کاروبار تھا۔ اور ان کا لین دین طائف کے قبیلہ بنو ثقیف کے ساتھ تھا۔ حضرت عباس کی ایک کثیر رقم سود کے حساب میں بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی جس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے بنی ثقیف سے مطالبہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم قرآنی کے تحت اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سود کی اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا حکم دیا[1]

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں اس آیت کی شان نزول پر بہت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو عمرو اور بنو مغیرہ میں زمانہ جاہلیت سے باہم سودی لین دین چلا آرہا تھا۔ جب دونوں قبیلے یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہوگئے تو بنو عمرو کی ایک بڑی رقم بحساب سود بنی مغیرہ کے ذمہ داجب الادا تھی۔ جب انھوں نے مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر معاملہ قاضی مکہ کے واسطہ سے بارگاہ رسالت میں پیش ہوا اور آپ نے بحکم ایزدی اس کے لینے کی ممانعت فرمادی[2] یہ واقعہ البحر المحیط۔ روح المعانی، تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، فتح القدیر اور خازن وغیرہ سب میں قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے۔ جن سب کا ماحصل مشترک یہی ہے کہ سودی کاروبار بڑے پیمانے پر تجارتی اغراض کے لئے بھی کیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں جو الفاظ کتب تفسیر میں مذکور ہیں ان میں بھی کسی التباس کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

کان ربا یتبا یعون به فی الجاهلية[3]۔	یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کرتے تھے۔

تفسیر قرطبی میں اس سے بھی زیادہ تصریح ہے:

هذا حكم من الله لمن اسلم من كفار قريش وثقيف ومن كان يتجر هنالك[4]	اللہ کا یہ حکم ان کے لئے ہے جو تجارت پیشہ کفار قریش و ثقیف میں سے مسلمان ہوگئے تھے۔

---

[1] تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۳۶۶ ۔ [2] عمدۃ القاری ج ۵ ص ۵۳۶ [3] تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۳۶۶ [4] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۶۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تصریحات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ سودی داد و ستد وقتی اور عرفی حاجتوں تک محدود نہ تھا بلکہ عموماً بالکل اسی طرح سے کاروبار ہوتا تھا جیسے آج ایک کمپنی دوسری کمپنی سے کرتی ہے۔ بنو ثقیف کا تمول و ترفہ مشہور عام اور زبان زدِ خلائق ہے۔ ابو حیان نے انھیں سب سے زیادہ سود لینے والا لکھا ہے [1] بنی مغیرہ بھی تجارت پیشہ متمول قبیلہ تھا۔ اسی طرح حضرت عباس اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما بھی مالدار اشخاص تھے۔ یہ دونوں دوسرے تاجروں سے سودی معاملات کیا کرتے تھے۔

بیع اور ربا کا فرق

آج کی طرح ہر زمانہ میں یہ سوال اٹھایا جاتا رہا ہے کہ آخر بیع اور ربا میں فرق کیا ہے؟ منافع کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں کہ جس طرح کوئی شخص مثلاً ایک کپڑا دس روپے میں خرید کر گیارہ میں فروخت کرے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر کوئی دس روپے کو گیارہ روپے میں فروخت کرے تو جائز ہونا چاہیے۔ یا جس طرح سامان اور مکان کرایے پر دے کر نفع اندوزی جائز ہے اسی طرح نقدین کو بھی کرایہ پہ دے کر اس کا نفع لینا جائز ہونا چاہیئے۔ یہ اشکال سب سے پہلے بنو ثقیف کے ذہنوں میں ابھرا جیسا کہ ابو حیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں تصریح کی ہے۔ [2] اور اسی لیے جب حرمت سود کے سلسلہ کی آخری آیت کا نزول ہوا تو انھوں نے اپنی ذہنی کجروی کی بنا پر اس اعتراض کو دہرایا کہ انما البیع مثل الربوا۔ ظاہر ہے بنو ثقیف کا یہ انداز استہزائی تھا۔ کیونکہ بیع کی حلت میں تو کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی اس لئے کہا یہ جا سکتا تھا کہ "ربا بھی مثل بیع کے حلال ہے" لیکن انھوں نے بیع کو ربا کے مماثل ٹھیرایا یعنی اگر ربا کو حرام کہا جائے تو بیع کو بھی حرام کہنا ہوگا۔ خدا وند قدوس نے معاً ان کے قول کو باطل اور مردود قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"احل اللہ البیع وحرم الربوا" یعنی بیع کو ہم نے حلال کیا ہے اور ربا کو حرام۔

[1] البحر المحیط ج ۲ ص ۳۳۵۔ [2] ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درحقیقت بیع درہا میں ایک نہایت نمایاں فرق تو یہ ہے کہ بیع وشراء دتجارت(ا) میں دونوں طرف مال ہوتا ہے۔ ایک کے بدلے میں دوسرا مال لیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف قرض وادھار میں جو زیادتی سود کے نام پر لی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں کوئی مال نہیں ہے بلکہ ایک میعاد ادائیگی ہے۔ اور ظاہر ہے یہ میعاد کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ اس زیادتی کو قرار دیا جائے۔ امام فخرالدین رازی نے سود وتجارت کا فرق واضح کرتے ہوئے ایک مستند قول نقل کیا ہے کہ :

"قفالؒ نے ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے اسے واضح فرمایا ہے کہتے ہیں کہ جو کوئی دس کا کپڑا بیس میں فروخت کرتا ہے۔ تو وہ اسکو بیس کے مقابل سمجھتا ہے تو بس جب رضامندی حاصل ہو جائے تو مالیت بھی ایک دوسرے کے برابر ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ساتھی سے کوئی شئے بغیر معاوضہ کے نہیں لیتا۔ لیکن اگر وہ دس روپے کو بیس میں فروخت کرتا ہے تو اس طرح وہ دس بغیر معاوضہ کے وصول کرتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کہے کہ اس کا معاوضہ مدت ادائیگی ہے۔ کیوں کہ مہلت نہ تو مال ہے اور نہ ایسی شئے ہے جس سے استفادہ کیا جاسکے۔ چہ جائیکہ اس زائد دس کو مہلت کا معاوضہ قرار دیا جاسکے۔" [1]

بیع وسود میں بنیادی فرق معاوضہ کی صحت کا ہے۔ یعنی اصل سے زائد جو رقم لی جارہی ہے۔ اس کا معاوضہ کیا ہے۔ اگر اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی چیز ہے جسے از روئے شریعت وعقل معاوضہ کہا جاسکے تو وہ زیادتی منافع صحیح یعنی تجارت ہوگی ورنہ سود۔ مثال کے طور پر ایک شخص کپڑے کی تجارت کرتا ہے اس میں وہ

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۴۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر طرح کی مالی و جانی مشقتیں اٹھا کر مشتری کے لئے سامان مہیا کرتا ہے اور پھر اپنی اس محنت و مشقت کے لئے وہ مشتری کی رضامندی سے کچھ زائد رقم وصول کرتا ہے جسے وہ برضا و رغبت انگیز کر لیتا ہے۔ یہ زیادتی یقیناً جائز ہے۔ اور شریعت اسلامیہ میں مستحسن ہے۔ لیکن اس کے برخلاف ایک سرمایہ دار کسی کو دس ہزار روپیہ قرض دیتا ہے اور اس سے وہ معاہدہ کرتا ہے کہ ایک سال کے بعد پندرہ سو ادا کرنے ہوں گے۔ اب اگر مدیون نے یہ رقم کسی ذاتی ضرورت سے لی تھی تو اس میں صرف ہو گئی۔ وہ روپیہ مع سود کے اس طور پر دے رہا ہے کہ اس نے اس رقم سے کوئی آمدنی نہیں کی۔ اور اگر تجارت سے لئے قرض لیا تھا تو اس میں منافع ہر حال میں ضروری نہیں۔ ممکن ہے خسارہ ہی ہو جائے تو پھر اسے کل روپیہ اپنے ہی پاس سے ادا کرنا ہوگا۔ اب یہ زیادتی جو دائن پانچ سو کی دے رہا ہے وہ کس مد میں ہے؟

مستغربین اور مجوزین سود کی جانب سے اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج دنیا میں کاروبار کی جو نوع بنوع شکلیں رائج ہیں ان کے اندر روح اور اسپرٹ کو تلاش کرنا چاہیے کہ وہ بیع کی ہے یا ربا کی۔ اگر بیع (تجارت) کی روح غالب ہے تو وہ جائز بیع ہوگی۔ اور اگر ربا کی اسپرٹ کارفرما ہوگی تو وہ سود ہوگا۔ لہذا کمرشیل انٹرسٹ کو اگر دیکھا جائے تو اس میں بیع کی روح غالب ہے کیونکہ مدیون جو سود کی رقم دائن کو ادا کرتا ہے وہ اپنے پاس سے نہیں بلکہ اس نے قرض پر حاصل کردہ رقم کو تجارت میں لگا کر اس سے اتنا نفع کمایا کہ اس کا ایک معین حصہ وہ دائن کو دے دیتا ہے۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے بشرح سود چالیس روپے لئے۔ اب وہ ان سے تجارت کر کے سو روپے ماہانہ نفع حاصل کرتا ہے۔ جس میں سے بآسانی چالیس روپے دائن کو دے کر بقیہ خود رکھ لیتا ہے۔ اس معاملہ سے دونوں کو فائدہ ہے۔ کسی کا نقصان نہیں۔ لہذا کمرشیل انٹرسٹ کو جائز ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ صرف ایک مغالطہ ہے۔ ورنہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کمرشیل انٹرسٹ میں بھی رباہی کی روح کارفرما ہے۔ جسے قرآن حکیم نے لا تظلمون ولا تظلمون اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا ضرر ولا ضرار کے جامع الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ نے سود پر ایک ہزار روپے قرض لے کر تجارت میں لگائے تو اس بات کا کیسے یقین ہو گیا کہ اس میں ہر ماہ غیر معمولی منافع آئے گا۔ ممکن ہے۔ آپ دیوالیہ ہو جائیں۔ اس وقت تو آپ کو اصل ہی کے لالے پڑ رہے ہوں گے، مزید برآں سود کا بوجھ۔ دائن تو آپ کی مصیبت کا ذرا سا بھی خیال کئے بغیر اپنی کل رقم مع سود بلکہ بسا اوقات سود در سود وصول کر لے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے ساتھ ظلم شدید ہوا۔ اور اگر آپ نے اس رقم سے غیر معمولی منافع حاصل کیا اور اس میں سے صرف متعینہ سودی رقم دائن کے حوالہ کر کے بقیہ پر خود قابض ہو گئے تو یہ دائن کے ساتھ ظلم ہوا۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کمرشیل انٹرسٹ میں دائن (خواہ وہ مہاجن ہو، کمپنی ہو یا بینک ہو) اپنے مدیون کی تباہی کا منتظر نہیں رہتا۔ اس کو تو فائدہ اسی صورت میں ہے کہ آپ کی کاروباری اسکیم فیل ہو جائے۔ یا وہ کسی آفت ارضی و سماوی سے دوچار ہو جائے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی سودی رقم ہر ماہ بڑھتی چلی جائے۔

حالانکہ شریعت کا صریحی منشا یہ ہے کہ فائدہ ہو تو دونوں کا ہو اور نقصان ہو بھی دونوں برابر کے شریک رہیں ہوں۔ کسی فریق پر ظلم نہ ہو اسی لئے اس نے ہر اس باہمی معاملہ کو ممنوع قرار دیا جس میں کسی ایک فریق پر زیادتی کا احتمال ہو۔ خواہ وہ زیادتی باہمی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ کہنا بھی غلط ہے کیونکہ کوئی بھی قرضدار سودی رقم خندہ جبینی سے نہیں دے سکتا۔ اور تحت الشعور میں جذبہ نفرت ضرور موجود ہوگا اور یہی اس کے دلی ارادہ کا ترجمان ہے۔

شریعت نے اس قسم کی تجارت کے لئے مضاربت کی شکل نکالی ہے۔ ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے سرمایہ کا مالک ہے لیکن بدقسمتی سے وہ کسی کاروبار کی صلاحیت سے قطعی نابلد ہے۔ اور ایک دوسرا شخص تجارتی ذہن اور صلاحیت سے بہرہ ور ہے مگر کاروبار کے لئے وافر سرمایہ سے محروم ہے۔ شریعت نے اس کی جائز صورت یہ نکالی ہے کہ مذکورہ دونوں قسم کے اشخاص شرکت میں (مضاربت) کاروبار کریں یعنی ایک اپنا سرمایہ لگائے اور دوسرا اپنی محنت، ذہانت اور تجربہ کام میں لائے۔ اس سے جو نفع حاصل ہو اس میں دونوں مساوی شریک ہوں۔ اور اگر نقصان ہو تو اس میں بھی دونوں شامل رہیں۔

سود اور صدقہ اللہ جل شانہ نے غریبوں کی دلجوئی کے لیے مالداروں کو ان کی مدد اور تعاون پر بھی ابھارا ہے۔ اور قرآن کی بیشتر آیات کے اندر اہل ثروت کو ناداروں کی مدد کرنے پر ثواب و انعامات کی خوش خبریاں سنائی گئی ہیں۔ مزید برآں اسلام میں ایک متمول انسان کا اخلاقی فرض ہے کہ جو لوگ بالکل محتاج ہیں صدقہ و زکوٰۃ کے ذریعہ ان کی اعانت کرے اور جو لوگ صدقہ و زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں تو انھیں بلا سودی قرض دے کر مدد کرے۔ اور اگر وہ مدت معینہ پر ادا نہ کر سکے تو مزید احسان یہ کرے کہ مہلت دے دے۔ اس کے بخلاف سود خوری حرص و قساوت قلب کو بڑھا کر اعانت کے ان دونوں طریقوں کا سد باب کر دیتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں قرآن میں جہاں سود کا ذکر آیا ہے وہاں صدقہ و زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ سود اور صدقہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی بنیاد اخلاق، تناصر و تعاون اور اخوت اور مودت کی اعلیٰ قدروں پر ہے۔ جس سے امیر و غریب باہم مربوط ہوتے ہیں اور نسبی تعلق سے زیادہ قوی تعلق دونوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سود کی بنیاد بخل، حرص و طمع اور قساوت قلب پر ہے۔ جس سے ناداروں اور اہل ثروت میں انتہائی بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے امام رازی فرماتے ہیں کہ " صدقہ اور سود دونوں باہم متضاد ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدقات میں ایک شخص اپنے مال کا زائد حصہ دوسرے کو دیتا ہے اور ربا میں دوسرے کا زائد حصہ خود حاصل کرتا ہے تو جس مذہب نے صدقات کا حکم دیا۔ اس میں سود کس طرح جائز ہو سکتا ہے[1]، خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات۔ — اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اس کے ذیل میں امام موصوف رقمطراز ہیں "ربا میں فی الحال زیادتی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں نقصان ہے، اور صدقہ صوری حیثیت سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔ مگر معناً وہ بڑھوتری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بظاہر سود خوار کا مال بڑھتا ہے لیکن انجام کار فقر ہوتا ہے[2]۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا" ربا زیادہ ہو تو کم ہو جاتا ہے"۔ جو شخص ممانعت کے باوجود سود لیتا ہے اس کے مال سے برکت رخصت ہو جاتی ہے اور بالآخر کسی نہ کسی صورت سے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ علامہ محمد الخضری لکھتے ہیں۔

"اور قرآن مجید نے یہ بیان نہیں کیا کہ بیع کیا ہے۔ اور سود کسے کہتے ہیں۔ قرآن مجید کے سامعین کے نزدیک یہ ایک جانی ہوئی بات ہے اور قرآن مجید نے اس اصول موضوعہ پر اکتفا کیا۔ البتہ یہ بیان کر دیا کہ سود نرمی کے اس اصول کے بالکل منافی ہے جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی ہے"

کہا جاتا ہے کہ اکتناز (ذخیرہ اندوزی) شریعت میں ممنوع ہے بلکہ دولت کو گردش میں رہنا چاہیئے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب تجارت اور دیگر ضروریات کے لیے صاحب حاجت لوگوں کو سودی قرض دیئے جائیں تاکہ کسی فرد واحد کے پاس دولت جمع نہ ہو سکے۔ حالانکہ قابل غور بات یہ ہے کہ اکتناز کس صورت

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۲۹ ۔ [2] ایضاً ص ۵۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ سودی قرضہ دینے میں یا جائز تجارت میں لگاسکتے ہیں۔ جب بینک سودی قرضہ دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ مدیون اس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکے اس وقت تو وہ بالکل تباہ حال ہو جائے گا۔ اور اس کا مکان و جائداد سب قرق ہو جائیں گے۔ جس کا مشاہدہ شب و روز ہوتا رہتا ہے۔ لہذا یہ دولت سمٹ کر کہاں آئی؟ سرمایہ دار کی تجوری اور بینک کے حصہ میں۔ اسی طرح پوری ملت کا سرمایہ سمٹ کر ایک جگہ اکٹھا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس سے قسم قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی اکتناز کی قرآن نے ممانعت کی ہے۔ قرآن میں جہاں اکتناز زر کا ذکر آیا ہے وہیں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وسعت میں ایک غریب و نادار کی صدقہ و زکوٰۃ سے اعانت کرنا بھی شامل ہے۔ یہاں تک کہ کسی غیر مستطیع کو بغیر سودی قرضہ دے کر اس کی مہلت ادائیگی میں ڈھیل دینا بھی ثواب اور کار خیر ہے۔

درحقیقت دولت کی آزادانہ گردش تو تجارت ہی میں ہے۔ جو جائز طریقے سے ہو یا پھر مضاربت کی شکل میں۔ جس میں ایک فریق کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت و ذہانت کارفرما ہوتی ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع میں دونوں برابر کے شریک و سہیم ہوتے ہیں۔ اس طرح دولت آزادانہ گردش کرتی رہے گی۔ اور کہیں بھی ہمہ تن تعیش و راحت اور غفلت کیشی کا ذریعہ نہ بننے پائے گی۔

بینکنگ انٹرسٹ آج تمام دنیا میں بڑی ترقی یافتہ شکل اور وسیع پیمانے پر بینکنگ سسٹم نافذ ہے۔ اس کی افادیت سے انکار چشم پوشی کی دلیل ہے لیکن "اثمھما اکبر من نفعھما" کے مصداق سود کی گرم بازاری نے اس کی ساری افادیت پر پانی پھیر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بینکوں میں سرمایہ جمع کرنے سے غریب عوام کا فائدہ ہے کہ وہ ایک متعینہ منافع حاصل کرتے رہتے ہیں اور اس سے قرضداروں کا بھی فائدہ ہوتا ہے کہ بہت ہی معمولی شرح سود پر انھیں رقم قرض مل جاتی ہے اس لئے عقل اس کے جواز کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منقطع ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مروجہ بنک کاری نظام میں اسپرٹ وہی کارفرما ہے جو قدیم ساہوکارانہ نظام سود میں تھی۔ ظاہری فرق صرف باضابطگی اور پیمانے کا ہے۔ دولت کی آزادانہ گردش جو معاشرہ کی بہبودی کے لئے ضروری ہے ختم ہو جاتی ہے۔ خواہ سیونگ فنڈ ہو یا فکسڈ ڈپازٹ اور ریکرنگ ڈپازٹ ہر ایک میں دولت سمٹ کر ایک جگہ پہونچ جاتی ہے اور ایک معینہ مدت پر ایک معمولی شرح سود حاصل ہوتا ہے۔ آج ایک رجحان یہ بھی عام ہو گیا ہے جس میں نہ صرف اشخاص بلکہ بڑے بڑے اسلامی ادارے بھی مبتلا ہیں کہ ایک کثیر رقم بینک میں مثلاً دس فیصد شرح سود پر فکسڈ ڈپازٹ میں محفوظ کر دی جائے۔ اور پھر اس کے سالانہ منافع سے نظم تہری کی جائے۔ مثلاً پندرہ لاکھ روپیہ دس فیصد سالانہ سود پر فکسڈ ڈپازٹ میں محفوظ کر دیا گیا اب اس سے سالانہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ مستقل آمدنی ہوتی رہے گی۔ اس انداز فکر سے کئی نقصانات ہیں۔ شرعی قباحت تو ہے ہی۔ آپ آخر یہ بیٹھے بٹھائے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کس عوض میں حاصل کر رہے ہیں اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے؟ شریعت میں اسے صریح ناجائز قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں بہت تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔ اس طرح کی آمدنی سے جسے آپ ہزار منافع بینک کہتے رہئے۔ ایک اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے تن آسانی، حرص و آز اور بے برکتی کی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ذہنی تعیش، دماغی سہل انگاری اور جسمانی راحت پسندی پیدا ہو جاتی ہے۔ قوئی اختلال پذیر ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے سود کو ایک خاص اصول اور نظریہ کی بنا پر حرام قرار دیا ہے۔ جو اسلام کا سنگ بنیاد ہے۔ یعنی نرمی، فیاضی، ہمدردی، اعانت، اور مساوات وغیرہ اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ بینکوں کے سود میں اس اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا نہیں۔ اصول میں کمی بیشی اور منفعت و شدت کا لحاظ نہیں کیا جاتا استحصال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر اسلام میں قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب وہ قاتل خواہ کسی مرد نواجا کے قتل کا مرتکب ہوا ہو یا ننھی سی جان کا۔ سزا دونوں کی ایک ہے۔

اس حیثیت سے آپ بینکوں کے سود پر نظر ڈالیے تو اس میں بھی سخت گیری کا یہ مادہ نظر آتا ہے۔ اس لیے بینکوں کا منافع بہ ہے کہ زر نقد کم شرح سود پر امانتاً لیں اور زیادہ شرح سود پر قرض دیں۔ اس لیے شرح سود کی یہ زیادتی گو رباکی شرح سود سے کم ہو لیکن وہ بہر حال ایک قسم کی خود غرضی اور سخت گیری پر مبنی ہے۔ جو اسلام کے اصول مسامحت کے منافی ہے۔ مزید برآں بینک کے اندر غریب اور مفلس کا نو گزر نہیں وہ تو صرف تاجروں، کاشتکاروں اور ہر اس شخص کو سود پر قرض دے گا جس کے پاس ضمانت کے لئے بڑی بڑی غیر منقولہ جائداد یں ہوں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بہت عمدہ بات لکھی ہے کہ "حرمت سود کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انسان ہمہ تن تعیش کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور میدان زندگی میں تگ و دو کرنے اور حصول مال کے جائز ذرائع تجارت، صنعت و زراعت سے منہ موڑ کر سود کی پر زندگی بسر کرنے لگتا ہے[1] چنانچہ بینک کے سود میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک دولت مند شخص یا ادارہ بینک میں روپیہ جمع کر کے بے فکری، حرام خوری اور بے کاری کی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ؟

سود کے اثرات اخلاق پر

سود خوری کی بیماری ایسی متعدی ہے کہ وہ کسی ایک حد پر نہیں رکتی بلکہ وہ اپنی سمیت کو قوم و ملک کے رگ و ریشہ میں سار ی کر کے اس کو اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار کر دیتی ہے۔ اس کے مضر اثرات سود خور قوم کو اخلاقی و روحانی اور تمدنی و اجتماعی اور معاشی و معاشرتی اعتبار سے تہی دست بنا دیتے ہیں۔ ان سے انسانیت و شرافت سلب کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے سامنے دنیا کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متمول ترین قوم یہودیوں کی تاریخ ایک کھلی کتاب کے مانند ہے۔ وہ اپنے زمانے کی سب سے زیادہ مہذب، ترقی یافتہ، متمول اور اعلیٰ قوم شمار ہوتی تھی۔ لیکن جب وہ اپنی سرکشیوں نافرمانیوں کی پاداش میں ایک دم قعر مذلت میں گری تو تمام نعمتوں اور آسائشوں کو ان سے سلب کر لیا گیا۔ قرآن نے ان کے اجرام کی فہرست شماری کراتے ہوئے ان کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا کہ:

واخذھم الربٰوا وقد نھوا عنہ — اور ان کے سود لینے کے سبب سے
واکلھم اموال الناس — حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے۔ اور
بالباطل۔ (النساء-۳) — لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کے سبب سے۔

سود کا موازنہ جب بھی اسلام کے اعمال حسنہ مثلاً صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ سے کیا جاتا ہے تو دونوں کے باہمی لوازم بھی سامنے آتے ہیں مثال کے طور پر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ دولت جمع کرنے کی خواہش سے لے کر اور سود کے انتہائی مدارج تک پورا ذہنی عمل خود غرضی، بخل، ظلم و تشدد، حرص و آز، اور شقاوت و سنگدلی جیسی صفات سیئہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس زکوٰۃ اور صدقہ میں فیاضی، رحمدلی، ایثار، اخوت، تعاون و تناصر اور عالی ظرفی جیسی صفات پائی جاتی ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی سود کے اخلاقی نقصانات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" سود خواری حرص و طمع اور ظلم و بخل کا مجموعہ ہے حرص و طمع تو یوں کہ سود خوار اس کے ذریعہ چاہتا ہے کہ ساری دولت سمٹ کر اس کے پاس آجائے۔ بخل یوں کہ وہ کسی غریب مقروض کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی کار خیر میں دے کر اپنے سرمایہ میں کچھ کمی پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود خوری کا ذکر صدقہ و خیرات کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اور ظلم یوں کہ وہ سود اور سود در سود کے ذریعہ لوگوں کو ان کی محنتوں کے پھل سے محروم کر دیتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور رحم نہیں کرتا۔ اسی لیے سود کی ممانعت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے فرمایا:

لا تَظلمون ولا تُظلمون - نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔[1]

امام رازی نے تفسیر کبیر میں سود کے معاشی، تمدنی، اخلاقی اور معاشرتی نقصانات پر بہت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ "سود خوری انسان کی عملی زندگی میں خلل انداز ہوتی ہے۔ کسب و عمل کی قوتوں میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کے پاس ایک روپیہ موجود ہے۔ اگر سود کے ذریعہ سے اسے نقد یا ادھار ایک روپیہ زائد حاصل کرنے کا اختیار ہو جائے تو وہ کسب معاش میں سہل انگاری سے کام لے گا۔ اور تجارت اور محنت طلب پیشوں کی مشقت نہ برداشت کرے گا۔ حالانکہ دنیوی کاروبار تمام تر تجارت، صنعت اور حرفت ہی کے ذریعہ سے چلتے ہیں۔ اس لیے جواز سود کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کے سامنے منفعت عامہ کے دروازے بالکل بند ہو جائیں گے[2]

مشکلات اور ان کا حل

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سود مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور معاشی ہر حیثیت سے ناجائز، مضر اور قابل نفرین ہے اور شریعت نے بجا طور پر اسے حرام قرار دیا ہے تو پھر موجودہ زمانہ میں جب کہ اس کے عموم و شیوع سے کوئی شخص مامون نہیں ہے، مسلمان کیا کریں؟ جس معاشرہ میں وہ اس وقت زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ ان پر بھی اثر انداز ہے۔ اور شاید ہی کوئی شخص اس لعنت سے خود کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہو۔ دراصل ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان اسلامی اقدار حیات کے تحفظ اور تمدن جدید کے رخ کو موڑنے کے لئے کوشاں ہوتا، وہ خود اس خیرہ کن تہذیب اور اس کے لوازم کے تیز و تند دھارے کی زد میں ہے۔

---

[1] سیرت النبی جلد ششم بحث سود۔ [2] تفسیر کبیر ج ۲ - ص ۵۳۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سود کا مکمل طور پر سدِ باب تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کو بالادستی حاصل ہو اور اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن ہو۔ اس وقت قانون کے زور سے سودی دادوستد کو ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جن صورتوں میں سودی قرضے لینے کی ضرورت پیش آئے اس کا متبادل نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی وصولی کا نظام اور رفاہی بیت المال کا قیام۔ جس سے مفلوک الحال اور نادار کی امداد بھی کی جا سکے اور غیر مستطیع مقروض کا قرض بھی ادا کیا جا سکے۔

لیکن ہندوستانی مسلمان ظاہر ہے قانونی حیثیت سے سود کا سدِ باب کرنے پر قادر نہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اولاً ان تمام اسباب کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے جن کی وجہ سے ایک شخص قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ ثانیاً اگر قرض لینا ناگزیر ہو جائے تو اس کے لیے غیر سودی قرض کا انتظام کیا جائے۔

یہ تسلیم ہے کہ قرض انسانی زندگی کی ایک ضروری شے ہے، علی الخصوص کم آمدنی والے لوگوں کے لیے۔ وہ اس طرح جوڑ توڑ کر کے اپنے ماہانہ مصارف پورے کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے اور کم از کم راقم سطور کے مشاہدہ میں اس کی متعدد جیتی جاگتی مثالیں ہیں کہ قرض کی ضرورت عموماً انسان کی کو اپنی کسی ایسی ناگزیر ضرورت کے لئے پیش نہیں آتی جس پر موت و زیست کا مدار ہو۔ بلکہ عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کا سبب محض بے جا اسراف، تعیش پسندی، چندہ بازی اور بدتدبیری ہوتی ہے۔ ایک ایسی ضرورت جس کو فارغ دستی تک موخر کیا جا سکتا ہو محض اہل خانہ یا اولاد کے اصرار یا طعن سے مجبور ہو کر قرض سے پورا کرنا کسی طرح بھی دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ قرض خواہوں کے چنگل میں پھنسا اور پریشان حال رہے گا۔ اس بات کی شدید ترین ضرورت ہے کہ آمدنی اور خرچ کا ایک مدبرانہ بجٹ تیار کر کے اس کے مطابق زندگی کا معیار مقرر کیا جائے اہل خانہ کو اپنی معاشی صورت حال سے محض جھوٹی نمود کی خاطر کبھی فریب مغالطہ میں نہ رکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے ۔ تاکہ شوہر کے دکھ درد اور اس کی اقتصادی مشکلات میں وہ بھی برابر کی سہیم بن سکے ۔

اب دوسری صورت لیجئے یعنی اگر کسی ہنگامی صورت حال میں قرض سے کسی مفر کی گنجائش ہی نہ رہ جائے تو اسلام نے محض اخوت و انسانیت کے ناطے قرض دینے کو ایک اخلاقی فریضہ قرار دیا ہے ۔ اس نے جہاں ایک طرف قرض دار کو ادائیگی میں تاخیر کرنے پر مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ " کا خطاب دیا ہے ۔ وہیں قرض خواہ سے مہلت ادائیگی میں نرمی و سہولت دینے کی نصیحت کی ہے ۔ " فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃ " بلکہ مہلت دینے والے کو اس وقت عرش الٰہی کے سایئے کی بشارت دی ہے جب اس سایئے کے علاوہ کسی سائے کا وجود نہ ہوگا ۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور کو عملی زندگیوں میں نافذ و ساری کرنے کی جدو جہد کی جائے ۔

۱۔ مسلمانوں کو عموماً اور غریبوں اور متوسط الحال طبقہ کو خصوصاً عملی طور پر قناعت اور کفایت شعاری کا خوگر بنایا جائے ۔ تاکہ انھیں قرض لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے ۔

۲ ۔ شادی بیاہ کی رسومات کی مناسب اصلاح کی جائے ۔ اور ان مواقع پر تمام مسلمانوں کو ایک ضابطہ کا پابند بنایا جائے ۔ عموماً لڑکیوں کی شادی میں جہیز کی فراہمی اور دھوم دھام میں باہمی مقابلہ آرائی ایک متوسط طبقہ کے شخص کی کمر توڑ دیتی ہے نتیجہ کے طور پر لڑکیوں کی پیدائش عہد جاہلیت کی طرح مصائب کا پیش خیمہ خیال کی جاتی ہے ۔ اسلام میں مروجہ جہیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ سادگی اور قناعت اس کے زریں اصول ہیں ۔

۳ ۔ اہل ثروت اور متمول طبقہ میں مواسات ، ہمدردی ، ایثار اور فیاضی کے جذبات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۴۔ کم از کم قرض کے متعلق مسلمانوں کے تمام معاملات داد وستد مسلمانوں ہی تک محدود رہنے دیئے جائیں۔ اور قانوناً کوشش کی جائے کہ کوئی مسلمان بینکوں اور ساہوکاروں سے سود نہ لینے پائے۔

۵۔ مسلمانوں کے دولت مند طبقہ کو قرض اور بوقت ضرورت وصولی قرض میں مہلت دینے یا اس کو کلاً وجزءً معاف کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔

۶۔ ایک مسلمان اگر قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو (جس کی نوبت بلاسودی قرض میں بہت کم آئیگی) تو دوسرے مسلمان بھائی ادائے قرض میں اس کی مدد کریں۔ بہتر تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو قرض دینے کے لیے تمام قوم سے چندہ حاصل کر کے ایک رفاہی بیت المال قائم کیا جائے۔ جو اہل ضرورت کو کافی تحقیقات کے بعد ایک دستاویز کے ذریعہ بلاسودی قرض دے۔

۷۔ اور اسی کے مقابل ایک دوسرا بیت المال زکوٰۃ کے مال سے قائم ہو۔ جو کافی تحقیقات کے بعد صرف ان مسلمانوں کی طرف سے ان کا قرض ادا کرے جو قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

غرض مسلمان اگر اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں حتی الامکان سودی داد وستد سے احتراز لازم ہے۔ اس کے بدلے میں وہ صورتیں اختیار کرنی چاہئیں جن کا ایک خاکہ سطور بالا میں پیش کیا ہے۔ اس خاکہ کو خاص طور سے ہندوستانی مسلمان ایک منظم شکل میں اپنی عملی زندگیوں میں لاکر اس لعنت و مصیبت سے نجات پاسکتے ہیں لیکن شرط اولیں یہ ہے کہ اسلام و شریعت، ضمیر و اخلاق اور تدین و اتقاء کی رمق اور حس زندہ ہو۔ ورنہ اگر عصر جدید کے تمدن نے نگاہوں کو اس حد تک خیرہ کر دیا ہے کہ خیر و شر میں تمیز کی صلاحیت ہی مفقود ہو گئی ہے تو پھر نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا ہی سعید و بخت آور ہے۔ وہ شخص جو اس عالم میں بھی دور سے آتی روشنی کی کرن تاڑ لے اور والہانہ اس کی طرف لپکے۔ اور اس کرن سے اپنے دل کی ظلمتوں کو منور کرسکے۔

آخری بات

اس افسوس ناک حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہوتا ہے کہ سود کی حرمت پر مذکور الصدر تمام عقلی و نقلی براہین قاطعہ کے باوجود آج بعض مغرب زدہ مسلمان، اباحیت پسند علماء اور اسلام کے نام پر قائم تحقیقاتی ادارے جواز سود کے لیے تاویلات کاسدہ سے کام لیتے ہیں۔ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ عصر جدید میں معاملات کی بیشتر قسمیں ایسی ہیں جن میں ربا کی آمیزش ہے۔ ایسی صورت میں بعض جگہوں پر بعض اوقات میں مسلمان سودی داد و ستد پر مجبور ہے۔ اس وقت إلا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان پر عمل کرتے ہوئے ہم نفس جواز سود کا فتویٰ تو نہیں دے سکتے مگر اس مبتلیٰ بہ مسلمان کی مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے عند اللہ عفو و درگذر کی توقع کرسکتے ہیں۔

لیکن اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ آپ لچر اور سطحی صغریٰ و کبریٰ قائم کرکے یہ تاویل پیدا کریں کہ سود کی فلاں شکل فلاں صورت میں جائز ہے۔ کیونکہ ہم حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں۔ ہمارے بہت سے ذاتی مفادات سے گورنمنٹ مستفید ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے آپ سیونگ فنڈ، فکسڈ ڈپازٹ اور ریکرنگ ڈپازٹ میں روپیہ جمع کرکے ایک متعینہ سود ہر سال اپنے کھاتے میں جمع کراتے رہیں اور ضمیر و اخلاق کو تھپکی دے کر سالانہ اس کو برآمد کرکے ذاتی استعمال میں لائیں۔ العیاذ باللہ۔ بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ میں روپیہ رکھا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی سود نہیں ملتا بلکہ مزید چارج بینک ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا میں بھی روپیہ لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تقریباً مضاربت کی ایک شکل ہے۔ اس میں کوئی متعینہ رقم نہیں ملتی۔ بلکہ اس کا بھاؤ اترتا چڑھتا رہتا ہے کبھی فائدہ کبھی نقصان خوب سمجھ لیں کہ یہاں ہم اس بات کی قطعی تبلیغ نہیں کررہے ہیں کہ سیونگ فنڈ وغیرہ میں روپیہ محفوظ نہ کریں۔ موجودہ شر و فساد کے زمانے میں کون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص اپنے پاس زرِ نقد رکھنے کا مشورہ دے گا۔ عرض صرف یہ کرنا ہے کہ بینک کے ضابطہ کے مطابق انٹرسٹ کے نام پر جو فاضل رقم آپ کے راس المال پر مل رہی ہے اس کے ذاتی مصرف میں استعمال کا آپ کو از روئے شریعت کوئی حق نہیں ہے۔ تو پھر کیا کریں؟ اس کی شکل یہ ہے کہ آپ سالانہ حساب رکھ کر اس سودی رقم کو غریبوں اور مسکینوں میں بلا امید اجر و ثواب تقسیم کر دیں۔ بینکوں ہی میں اسے چھوڑ دینے سے یہ اندیشہ ہے کہ ممکن ہے حکومت اسے کسی اور ناجائز مصرف میں خرچ کر دے۔ بہر حال اس سلسلہ میں تدین و احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔

تحقیقات اسلامی کے وہ ادارے جو سود کے جواز کی موہوم شکلوں کے پیچھے سرگرداں ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مفید خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ وہ اپنے وقت، دماغی صلاحیت اور ذہنی و فکری توانائیوں کا ضیاع بھی کر رہے ہیں اور قوم کی دولت بھی ان کے شوا ہر مشاہروں پر ضائع ہو رہی ہے۔ بکثرت مذہبی اور تحقیقی موضوعات ان کے فکر و قلم کی جولانیوں کی راہ دیکھ رہے ہیں ان میں اپنے اشہب قلم کو مہمیز دیجئے تو یہ ایک اہم خدمت ہو گی اسلام کی بھی اور مسلمانوں کی بھی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

بقیہ نظرات

نظریہ سے ٹکرا رہا ہے، ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے برسرِ پیکار ہے لیکن اب تو جو کچھ ہو چکا ہے اوس سے ایک مشترک سبق یہ ضرور ملتا ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی طاقتور ہو وہ دھاندلی اور من مانی نہیں کر سکتا۔ آج نہیں تو کل اسے اوس کا خمیازہ لازمی طور پر بھگتنا ہو گا۔

© rasailojaraid.com